قوانینِ شاہ حمورابی

جغرافیائی اور سیاسی حالات کے تناظر میں اس کی دریافت، تحقیقی مطالعہ

The Code of King Hammurabi: Discovery and Analytical Study in the Context of Geopolitical Conditions

Khalid Mansoor
PhD Scholar Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & IT Peshawar
Email: hadawal.org@gmail.com
Prof. Dr. Mushtaq Ahmad
Dean, Faculty of Social Sciences Qurtuba University of Science and Information Technology

Abstract

The Code of Hammurabi is considered one of the earliest legal documents in human history, dating back to the 18th century BCE. The code consists of 282 laws, inscribed on twelve tablets and affixed to eight-foot-tall stone pillars placed in prominent locations across Babylon, Mesopotamia (modern-day Iraq), and other cities. These pillars were installed in public squares to ensure broad accessibility, allowing the common people to be aware of the laws governing them.

When the Egyptians conquered the city of Babylon, much of the inscriptions on the pillars were erased, and the code was largely forgotten in historical records. However, it was rediscovered in 1901 by French archaeologists, reintroducing the world to this ancient legal system. The inscriptions depict Hammurabi receiving the code from the gods Marduk or Shamash, and they suggest that divine forces selected Hammurabi to deliver these laws to humankind. Furthermore, the texts claim that Hammurabi's rule was predestined, and that he would unify various small states into a grand empire.

The profound and long-lasting influence of Hammurabi's Code cannot be denied. Subsequent religious and legal systems have emerged under its shadow, unable to completely dissociate themselves from its legacy. Elements of this code can even be observed in modern Western law.

Keywords: Hammurabi's Code, Geopolitical Conditions, Discovery, Analytical Study

ابتدائیہ

ضرورت واہمیت: حمورابی کا ضابطہ قانون انسانی تاریخ کی پہلی تحریری قانونی دستاویز مانی جاتی ہے، جو 18ویں صدی قبل از مسیح میں مرتب کیا گیا تھا اور اس میں 282 قوانین شامل ہیں۔ اس ضابطے کو بارہ الواح پر تحریر کرکے 8 فٹ لمبی پتھر کی ستونوں پر بابل اور میسوپوٹیمیا کے بڑے چوراہوں میں نصب کیا گیا تھا تاکہ عام لوگوں کو اس سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

حمورابی کے ضابطے کا تفصیلی مطالعہ ابتدائی قوانین اور عدلیہ کی ترقی کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے، جو موجودہ قانونی نظاموں کی بنیاد بن چکے ہیں۔ اس ضابطے کی تحلیل سے عدل وانصاف کے ابتدائی اصولوں کی وضاحت ہوتی ہے، جو آج کے قانونی نظاموں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

حمورابی قوانین کا فقہ اسلامی کے ساتھ موازنہ کرنے سے دونوں نظاموں کی مشترکہ اور متضاد خصوصیات کو اجاگر کیا جا سکتا ہے، جس سے قانون اور معاشرتی انصاف پر جدید بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس تحقیقی کام کے ذریعے اسلامی قوانین اور عدلیہ کے پہلوؤں کا تقابلی مطالعہ کرکے بہتر قانونی نظام کی تشکیل کے لئے رہنمائی فراہم کی جا سکتی ہے۔

خلا : حمورابی کے قوانین اور فقہ اسلامی کے موازنہ پر موجودہ تحقیقی کام محدود ہیں، جس سے ان دونوں نظاموں کے مابین گہرے تقابلی جائزے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اب تک کے مطالعے میں حمورابی کے ضابطے کے مختلف ابواب اور ان کے فقہ اسلامی کے متعلقہ ابواب کے ساتھ تفصیلی موازنہ کی کمی ہے، جو اس تحقیقی کام کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ: اس پر دستیاب کام نے بھی اس کا احاطہ نہیں کیا۔ جبکہ پہلے سے موجود کام کو بھی ناکامی سمجھتے ہوئے محقق نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس موضوع کو چنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پشاور یونیورسٹی اور دیگر تعلیمی اداروں میں فقہ اسلامی اور مختلف مقامی وعالمی قوانین کے تقابلی جائزے پر کچھ تحقیقی کام ہو چکے ہیں، مگر حمورابی کے ضابطے کی تفصیلی اور تقابلی تحقیق کی کمی ہے۔

فائدہ: اس تحقیقی مضمون سے حمورابی کے ضابطے اور فقہ اسلامی کے موازنہ سے قانون اور عدلیہ کے ابتدائی اصولوں کی سمجھ بوجھ میں اضافہ ہوگا، جو موجودہ قانونی نظاموں کی تشکیل اور عدلیہ کی اصلاح میں مددگار ثابت ہوگا۔

محقق کے اس تحقیقی کام کے ذریعے حمورابی کے ضابطے کے مختلف ابواب اور اسلامی قوانین کے ساتھ تفصیلی موازنہ کیا جائے گا، جو ان دونوں نظاموں کے مابین گہرے تقابلی جائزے کی کمی کو پورا کرے گا۔

شاہ حمورابی (Hammurabi) شاہ بابل ایک تعارف:

بابل میں پہلی عموری (اموری) حکومت 1900 ق م کے آس پاس قائم ہوئی اور کم وبیش تین سو سال رہی۔ اس حکمران خاندان کا چھٹا بادشاہ حمورابی (1792-1750 ق م) تھا۔ وہ اپنے والد سین موبالت کے بعد بادشاہ بنا۔ وہ عہد قدیم کے چند بڑے بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ لیکن بعض ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ عظمتِ بابل کا حرف آغاز حمورابی تھا اور نقطۂ عروج بخت نصر (نبوکد نضر، Nebuchadnezzar)[1]۔ حمورابی نے پورے عراق کو مسخر کیا میسوپوٹیمیا (مابین النہرین یعنی دجلہ اور فرات کے مابین واقع مشرق وسطیٰ، موجودہ عراق کا ایک حصہ) کے ساتھ کئی جنگیں لڑنے کے بعد اسے قبضہ میں لے کر انہیں متحد کیا اشوری حکومت (Assyrian) کو اُس نے زبردستی خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔ اور رفاہ عامہ کے لیے وسیع پیمانے پر تدابیر اختیار کیں۔ اُس نے جو قوانین بنائے، رومی سلطنت کے زمانے تک ان کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کی وفات کے بعد اس خاندان کی حکومت میں ضعف آگیا۔ پھر عراق کے ساحلی علاقے میں ایک نئی حکومت پیدا ہو گئی[2]۔

شاہ حمورابی نسلاً اموری (Amorites) یعنی سامی النسل (Semites) تھا[3]۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ سامی سیدنا نوح علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے سام کی اولاد تھے۔[4] علمی نطقہ نگاہ سے یہ ایک لسانی اصطلاح ہے اور اس کے مطابق ہر اس شخص کو سامی کہا جاسکتا ہے جو کوئی نہ کوئی سامی زبان بولتا تھا۔ اب جن زبانوں کو سامی تسلیم کیا جارہا ہے وہ دوسری زبانوں سے الگ ہیں لیکن باہم ان کا تعلق مسلّم ہے۔[5] حامی زبان، سامی زبانوں سے تھوڑی بہت قریب ہے۔ ان زبانوں میں مماثلت کے بڑے پہلو یہ ہیں۔

اموریوں کی سرزمین کے متعلق پہلا اشارہ سرجون (سراگون) کے عہد (2450 ق م) میں ملتا ہے۔ سامیوں کی تاریخ میں یہ پہلا عظیم الشان نام ہے۔ تدریجاً اموری وسط شام، لبنان اور فلسطین میں نمودار ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ لبنان، صیدان اور عسقلان نام شہروں کے اسماء کا آخری حصہ اموری ہے۔ شہر عمریت (Amrit، امراتھوس) فونیقی ساحل کے شمال میں واقع ہے۔ یہ اب تک اموریوں کی یاد تازہ کررہا ہے۔ اموریوں کی آمد سے پیشتر شام حوریوں اور دوسرے غیر سامی گروہوں سے بھرا ہوا تھا۔ اموریوں نے ملک پر سامیت کا رنگ چڑھانے کا سلسلہ شروع کردیا۔[6] البتہ کہیں کہیں محدود حلقے باقی رہ گئے اور یہ سلسلہ اب تک بدستور جاری ہے۔ بلد "امور" پر سرجون کے قبضے سے پیشتر "ماری" ایک ابتدائی سمیری خاندان حکومت کا مرکز تھا۔ سرجون نے سمیری فاتح کو معزول کردیا جس کا نام لوگال زاگیزی تھا اور وہ ارک کا رہنے والا تھا۔ اس

کا ایک سکہ آثار قدیمہ سے بر آمد ہوا ہے۔اس میں زاگیزی بتاتا ہے کہ میں نے سورج کے طلوع ہونے سے، سورج کے غروب ہونے تک پوری زمین مسخر کرلی اور میں نے دجلہ وفرات کے بحر زیریں سے بحر اعلیٰ تک راستہ سیدھا کرلیا۔[7] سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر دوسرے ہزار سال کی پہلی صدی میں یہ مرکزی شہر اور ارد گرد کے علاقے آبادی، حضارت اور حکومت کے اعتبار سے کاملاً اموری بن گئے۔یقین ہے کہ ان سامی حملہ آوروں نے دوآبہ دجلہ وفرات کے کسی آباد مہذب معاشرے پر مسلط ہو کر ترقی کی دوڑ شروع کی ہو گی اور ہم قیاس کرسکتے ہیں اس سے پہلے یہ لوگ شمالی علاقے اور البقاع میں اپنے گلے اور ریوڑ چراتے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہوں گے[8]۔

مذہبی، جغرافیائی اور سیاسی حالات

بابل ایک مشہور قدیم شہر کا نام ہے۔بعد میں یہی نام اُس ملک اور سلطنت کو دیا گیا جس کا یہ دارالحکومت مقرر رہا۔اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بابل کا عبرانی نام اکادی لفظ "باب' الی" (باب: دروازہ، آستانہ۔ الی: خدا یا دیوتا) سے لیا گیا تھا۔[9] اسی لفظ کی ایک اور شکل باب الونی (الونی: الی کی جمع کا صیغہ یعنی دیوتاؤں کا آستانہ) سے یونانی Babylion بنا تھا۔عبرانی میں بابل سے ملتا جلتا ایک اور لفظ ہے جس کے معنی اختلاف ہیں۔چونکہ بائبل میں خدا نے اس شہر کے لوگوں کی زبان میں اختلاف ڈالا۔اس لیے بابل کے دوسرے مطلب کو اس کی وجہ تسمیہ قرار دیا گیا[10]۔

بابل نامی شہر دریائے فرات پر موجودہ بغداد شہر کے جنوب میں 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔اس کی بنیاد نمرود بادشاہ نے جو ایک شکاری سورما تھا سنعار کے میدان میں ڈالی[11]۔اگرچہ شہر اس علاقے کا سب سے پرانا یا اہم شہر نہیں تھا، لیکن وقت گزرنے پر یہ بڑا اہم شہر بن گیا اور اُسی کے نام سے تمام ملک بابل کہلایا۔

بابل کی تاریخ اس لیے بڑی پیچیدہ ہو گئی کیوں کہ مختلف ممالک کے بادشاہوں نے اسے فتح کیا اور اس کے حکمران بنے۔اس شہر کے لیے سی فیصلہ کن جنگیں ہوئیں۔یہ شہر کئی مرتبہ مسمار ہوا اور پھر تعمیر کیا گیا۔[12] جب 612 قبل مسیح میں بابل کی اسوری حکومت کو زوال آیا تو بابل ایک قومی اور عظیم سلطنت کا دارالحکومت بنا جو خلیج فارس سے لے کر بحیرۂ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔سن 597 قبل مسیح اور 586 قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ نبوکدنضر نے باغی شہر یروشلم کو تسخیر کیا اور دونوں موقعوں پر یہوداہ کے بہت سے لوگوں کو اسیر کر کے بابل لے گیا۔ان میں حزقی ایل اور دانی ایل نبی جیسی ہستیاں شامل تھیں[13]۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بابل شہر اپنے عروج پر تھا۔یہ دریائے فرات کے دونوں کناروں پر ایک وسیع علاقے میں آباد تھا۔اندرونی اور بیرونی شہر دونوں کو ایک دوہری اینٹوں کی دیوار سے محفوظ بنایا گیا تھا۔یہ فصیل گیارہ سے

پچپیس فٹ (3 سے 7 میٹر) چوڑی تھی۔ بیرونی دیوار جو اندرونی دیوار سے تقریباً بیس فٹ دور تھی تقریباً 27 کلو میٹر تھی۔ اندرونی فصیل میں آٹھ دروازے تھے۔ ان میں سے چار کھدائی کے دوران منظر عام پر آ گئے ہیں۔ سب سے عالی شان اور قابل دید دروازہ شمال میں واقع تھا۔ یہ عشق اور جنگ کی دیوی عستار کے نام سے مشہور تھا۔ دروازے سے مردوک کے مندر تک اینٹوں کی پکی سڑک تھی جس پر سے شاہی یا مذہبی جلوس گزرتے تھے۔ اس سڑک کی دونوں طرف "رواں اور راست نگران" چمکتی اینٹوں میں شیروں کے مجسمے تھے۔ اس زمانے میں اسوری فن مصوری اپنے عروج پر تھا اور نبوکد نضر بادشاہ نے بہترین کاری گروں کی خدمت حاصل کی۔[14]

مندر:

شہر بابل میں پچاس سے زیادہ مندر تھے۔ ان میں سب سے مشہور مندر کا نام Etemenanki (آسمان اور زمین کی بنیاد کا گھر) تھا۔ اس کے قریب ہی مردوک کا مندر "ایساگلا" (وہ گھر جس کی چوٹی آسمان تک پہنچے) تھا۔ Etemenanki "برج مندر" کی بنیاد علماء کی رائے میں بابل کے قدیم لوگوں نے ڈالی تھی۔ لیکن خدا نے ان کے ارادے کو پورا ہونے سے روکا اور ان کی زبان میں اختلاف ڈالا[15]۔ لیکن خدا نے اس باب میں آیت 6 میں یہ اشارہ ضرور کیا کہ انسان جس بات کا ارادہ کرے تو آخر میں کر ہی لیتا ہے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کے بعد بہت سے بادشاہوں نے کوشش کی کہ اسے مکمل کریں لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ آخر 665-681 قبل مسیح اسرحدون بادشاہ نے اسے مکمل کیا۔ 648-652 قبل مسیح کی جنگ میں اسے سخت نقصان پہنچا لیکن نبوکد نضر دوم 562-605 قبل مسیح نے اسے دوبارہ مرمت کروایا۔ یہ عظیم الشان مندر برج نماسات منزلہ عمارت تھی۔[16]

معلق باغیچے:

بابل کے متعلق باغیچے دنیا کے ساتھ قدیم عجائبات میں سے ایک تھے۔ روایت میں ہے کہ نبوکد نضر نے ایک مادی شہزادی سے شادی کی تھی جسے اپنے پہاڑی وطن کی یاد ستاتی تھی۔ اُس شہزادی کی خاطر بادشاہ نے یہ معلق باغیچے بنوائے تھے۔ اینٹوں کی محرابوں پر کیاریاں تھیں جن میں پھول اور دیگر پودے لگے ہوئے تھے۔ یہ باغیچے مندروں کی طرح کئی منزلہ تھے۔[17]

بابل شہر کی تباہی:

539 قبل مسیح میں فارس کے شاہ خورس نے بابل کو فتح کیا۔ بقول یونانی سیاح اور مؤرخ ہیروڈوٹس، شاہ خورس کی فوج نے دریائے فرات کا رُخ بدل دیا اور دریا کی خشک تہہ پر آگے بڑھ کر شہر پر حملہ بول دیا اور اُسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد بابل شہر زوال پذیر ہوا حتیٰ کہ صفحہ ہستی سے تقریباً مٹ گیا۔ شہر کی یاد میں چند ریت کے ٹیلے پیچھے

رہ گئے۔ پچھلے سو سال میں آثاریات کے ماہرین نے انہیں بے نقاب کیا ہے اور بابل کی عظمت پر روشنی ڈال کر اُس کے جاہ وجلال کو زندہ و تابندہ کیا ہے۔ جہاں بابل کا برج تھا۔ اب وہاں صرف ایک 300 فٹ مربع کی کھائی باقی ہے۔ نسل در نسل لوگوں نے مندر کی اینٹوں کو چرایا اور اب صرف یہ خالی خندق رہ گئی ہے۔[18]

ملک اور سلطنت بابل:

موجودہ عراق کا جنوبی حصہ قدیم بابل کی سلطنت کا علاقہ تھا۔ بائبل کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے فلسطین کے بعد بابل سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ بنی نوع انسان کی ابتداء اسی ارض پر ہوئی۔ باغ عدن یہیں واقع تھا۔ اسرائیل قوم کی ابتدائی تاریخ بھی اسی سرزمین سے شروع ہوئی۔ یہی وہ قطعہ زمین ہے جہاں اسرائیل قوم کو اسیر کرکے لایا گیا اور اُن کی تطہیر اور اصلاح کی گئی۔ سب ملکوں سے پہلے مشرقی ایشیاء میں بابل ہی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا۔ جب انسان نے خانہ بدوشی اور جوپانی زندگی کو چھوڑ کر شہر آباد کرنے کی ٹھانی تو اس میں بابل کے علاقے ہی نے پہل کی[19]۔

لفظ تمدن میں شہر آباد کرنا اور شہری زندگی کے طور طریقے اپنا مخفی ہے۔ جب انسان نے دریاؤں کے پانی کو زراعت اور آب پاشی کے لیے استعمال کرنا سیکھا تو وہ ایسے علاقے تلاش کرنے لگا جہاں پانی بہ آسانی مہیا ہو اور زمین زرخیز ہو۔ دریائے دجلہ اور دریائے کا دوآبہ اس کے لیے نہایت موزوں تھا۔ اس علاقے کو ہیروڈوٹس نے مسوپتامیہ (دوآبہ) کا نام دیا۔ اسی خطہ زمین میں بابل اور دوسرے شہروں کی داغ بیل ڈالی گئی۔[20]

ایک صدی پہلے ہمیں بابل کے متعلق بہت کم علم تھا۔ بابل کی تاریخ کا بائبل میں چند ضمنی اشاروں یا سیاحوں کے سفرناموں سے کچھ مدھم سا خاکہ کھینچا جاسکتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ پچھلی صدی میں آثار قدیمہ کے ماہرین کی مختلف جگہ کھدائی کے نتیجے میں یہ خواب دیدہ تاریخ پھر جاگ اُٹھی ہے۔ اس کے علاوہ وہ میخی خط میں لکھی ہوئی مٹی کی تختیاں جو بعض مقاموں سے ملی ہیں اُس زمانے کے واقعات پر گہری روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کامیابی کا سہرا اثریات کے اُن ماہرین کے سر ہے، جنہوں نے بڑی محنت سے ان تحریروں کے پڑھنے کا حل نکالا ہے۔ ان تختیوں نے ہمیں بابلی اور اسورائی ثقافت اور تمدن سے پورا پورا روشناس کرادیا ہے[21]۔

دجلہ وفرات کا خطہ جغرافیائی اعتبار سے مہذب دنیا کے وسط میں واقع تھا۔ مغرب میں مصر، کنعان اور عرب کے علاقے تھے۔ شمال میں ایشیائے کوچک اور بحرروم کے ساحلی ملک تھے۔ مشرق میں ایران، چین اور ہندوستان تھے اور جنوب میں بحرہند کے ساحلی علاقے واقع تھے۔ بابل اور نینوا کے شہر ان سب ملکوں کی تجارتی

گذر گاہ تھے۔ پس اس خطے کے باشندوں کے تجارتی اور سیاسی مفاد انہیں گردو پیش کے سبھی ملکوں کے جغرافیائی حالات سے باخبر ہونے پر مجبور کرتے تھے۔[22]

جغرافیے سے متعلق جو لوحیں بر آمد ہوئی ہیں ان پر مختلف ملکوں، شہروں، دریاؤں اور پہاڑوں کے نام اوران کی جائے وقوع کندہ ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اہل بابل کو قطب شمالی کا بھی دُھندلا سا علم تھا۔ چنانچہ ایک لوح پر کرۂ شمالی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں سال میں دس مہینے سورج کا گزر نہیں ہوتا۔ چھٹی صدی قبل مسیح کی ایک لوح پر دنیا کا نقشہ بنا ہے۔ اس نقشے میں دنیا کی سطح چپٹی دکھائی گئی ہے۔ ایک "دریائے تلخ" کرہ ارض کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دریائے فرات دنیا کے بیچوں بیچ سے بہتا ہے اور نقشے کے چاروں کونوں پر بعض غیر معروف ملکوں کے نام درج ہیں۔ "جہاں سورج دکھائی نہیں دیتا۔" غالباً یہ دنیا کا سب سے پرانا نقشہ ہے حالانکہ اب تک عام خیال یہی ہے کہ پہلا نقشہ یونانی مفکر آناکسی ماندر (ANA XIMANDER) نے بنایا تھا۔ وہ ایشیائے کوچک کے ساحلی شہر ملے تس (MILETUS) کا رہنے والا تھا۔ کیا عجب ہے کہ بابلی نقشے اس کی نظر سے گذرے ہوں اوراس نے ان کی مدد سے اپنا نقشہ مرتب کیا ہو۔ عالمی نقشے کے علاوہ شہروں اور کھیتوں کے قدیم نقشے ملے ہیں۔[23] ان میں سب سے مشہور شہر نیفر کا نقشہ ہے۔ جس کی لوح اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ یہ نقشہ غالباً 1500 ق م میں بنایا گیا تھا۔ شہر نیفر کی کھدائی سے اس نقشے کی صحت کی تصدیق بھی ہو گئی ہے[24]۔

عراق کا میدان آرمینا کی سطح مرتفع کے جنوبی ڈھلوانوں سے خلیج فارس تک کوئی چھ سو میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب "اور" (UR) خلیج کے قریب واقع تھا اور آج کل وہ ساحل سے ساٹھ میل شمال میں ہے گویا جب عراق تاریخ سے روشناس ہوا تھا، اس وقت سے میدان کی لمبائی میں کم و بیش ساٹھ میل کا اضافہ ہو چکا ہے۔[25]

زمانۂ قدیم میں اس میدان کے دو حصے تھے: شمالی سمت میں اشور اور جنوبی سمت میں بابل۔ دونوں حصوں میں بڑے بڑے شہر آباد تھے۔ اشور کے شہروں میں سے نینویٰ، خورس آباد اور اربیلا بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اربیلا وہی ہے جسے آج کل اربیل کہتے ہیں۔ یہ دنیا کے شہروں میں سب سے پرانا مانا جاتا ہے۔ بابل کے شہروں میں سے خود بابل، کش، اکاد اور اُر قابل ذکر ہیں۔ آخری شہر بابل کے جنوبی علاقے میں واقع تھا۔ جسے زمانہ قدیم میں سمیر کہتے تھے اور عبرانی زبان میں اس کا نام شنعار تھا۔ اشور کے شہر دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھے اور بابل کے شہر دریائے فرات کے کنارے اس سے قریب[26]۔

حمورابی قوانین تعارف و دریافت

پیرس کے مشہور عجائب گھر لوُور میں پتھر کی ایک لاٹ جو مخروطی شکل کی ہے کانچ کے صندوق میں بڑی حفاظت سے رکھی ہوئی ہے۔ اس لاٹ کی لمبائی آٹھ فٹ اور موٹائی تین فٹ ہے۔ اس کے بالائی حصے پر ایک منظر پیش کیا گیا ہے اس منظر میں بابل کا سب سے بڑا دیوتا مردُک بڑے جاہ و جلال سے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے رُوبرو بابل کا فرماں روا حمورابی نہایت ادب سے کھڑا ہے۔ وہ دائیں ہاتھ سے دیوتا کو سلام کر رہا ہے اور بائیں ہاتھ کو پیٹ پر رکھے ہوئے ہے۔ مردُک دیوتا اسے ضابطۂ قانون کا تحفہ عطا کر رہا ہے جو مخروطی لاٹ کے بقیہ حصے پر عکّادی زبان میں کندہ ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بابل کی باسیوں کو یہ یقین ہو جائے کہ یہ ضابطۂ قانون کسی نے نہیں بنایا ہے بلکہ عطیۂ خداوندی ہے لہٰذا یہ قانون بہت مقدس ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا بادشاہ کی نہیں بلکہ خداوند مردُک کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ اُس زمانے میں چھاپہ خانے اور اخبار وغیرہ نہیں تھے لہٰذا سلطنت کے اہم قوانین اور احکام کو پتھر کی لاٹوں پر کندہ کر کے مندروں میں یا شاہراہوں پر نصب کر دیا جاتا تھا تاکہ لوگ اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ رہیں۔ حمورابی کی لاٹ تاریخ کی سب سے پرانی لاٹ ہے۔ یہ لاٹ حمورابی کے حکم سے سپپر کے مقام پر شمس دیوتا کے مندر میں نصب کی گئی تھی۔[27]

بارہویں صدی ق م میں اِیلم کا بادشاہ اس لاٹ کو سُوسا اُٹھالے گیا اور فتح کا نشان بنا کر وہاں نصب کر دیا۔ سُوسا کی بربادی کے بعد یہ لاٹ ملبوں میں دب گئی اور تین ہزار سال کے بعد 1901ء میں فرانسیسی ماہرین آثار قدیمہ کو سُوسا کی کھدائی میں یہ لاٹ ہاتھ لگی۔ یہ لاٹ ابھی تک بڑی اچھی حالت میں ہے فقط پانچ چھ جگہوں پر عبارت مٹ گئی ہے جس کہ وجہ سے حمورابی کے تقریباً 35 قوانین ضائع ہو گئے ہیں لیکن ان قوانین کی نقلیں اتفاق سے دوسرے مقامات سے برآمد ہو چکی ہیں اور ان کی مدد سے حمورابی کا پورا ضابطہ مرتب کر لیا گیا ہے اس ضابطے میں کل 286 دفعات ہیں۔[28]

حمورابی کا ضابطہ قانون اس کے ذہن کی تخلیق نہ تھا اور نہ اس ضابطے کو مردُک دیوتا نے آسمان سے نازل کیا تھا بلکہ اس ضابطے کے مندرجات رسم و رواج کے طور پر دجلہ و فرات کی وادی میں صدیوں پیشتر سے رائج تھے۔ بالخصوص عکّادی علاقوں میں حمورابی کے قانون دانوں نے ان چیزوں کو ایک مرکزی ضابطے کی شکل دے دی۔ یہ ضابطہ پوری سلطنت کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔ کیوں کہ ریاست کی مرکزیت کو مستحکم کرنے اور بادشاہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو منوانے کے لیے ضروری تھا کہ پوری قلمرو میں ایک ہی ضابطہ رائج ہو[29]۔

حمورابی کا ضابطۂ قانون تاریخ کا پہلا ضابطہ نہیں ہے بلکہ عراقی آثار کی کھدائی میں اب تک تین ایسے قانونوں کا سراغ ملا ہے جو حمورابی سے پیشتر نافذ کیے گئے تھے۔پہلا اور سب سے پرانا ضابطہ قانون سلطنت اُر (جنوبی عراق) کے بادشاہ اُر نمّو (نمودیوں کا غلام یا کتا) کا ہے۔یہ ضابطہ حمورابی سے چار سو سال پیشتر (2113-2096 ق م) وضع ہوا تھا۔[30] اس ضابطہ قانون کی ایک نقل پچاس برس گزرے نیفر کے مقام پر بر آمد ہوئی تھی مگر کچی مٹی کی لوحیں نہایت بوسیدہ اور شکستہ ہیں۔اُر نمّو کے قانون کی خصوصیت یہ ہے کہ عکاّدی اُصول قانون کے برعکس (جس میں جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کی نہایت سخت سزائیں موجود ہیں) جسمانی سزا دینے کے بجائے مجرم سے تاوان وصول کیا جاتا تھا۔[31]

دوسرا ضابطہ اَشنونا کی بادشاہت میں رائج تھا۔یہ بغداد کے مشرق میں اُموریوں (عکاّدی کی ایک چھوٹی سی ریاست) اس کا زمانہ اُر کے زوال اور بابل کے قیام کے درمیان کا زمانہ تھا۔اشنونا کے ضابطے میں کل 61 دفعات ہیں۔ابتدائی دفعات میں چاندی کے ایک خاص وزن (شیکل) کی قدر مبادلہ جو تیل، چربی، اون، نمک تانبے کے ایک خاص وزن کے مساوی قرار دی گئی ہے اور بیل گاڑی کا یومیہ کرایہ جنس اور نقدی کی شکل میں مقرر کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ کشتی کا کرایہ، فصل کاٹنے والے کی مزدوری، خچر کا ماہانہ بھاڑ اور مزدوروں کی یومیہ اجرت تفصیل سے درج ہے[32]۔

اس ضابطے کے تحت شاہی محل یا معبد میں یا سرکاری کھیت یا معبد کے کھیت میں رات کے وقت چوری کرنے کی سزا موت تھی۔کوئی سرکاری ملازم یا معبد کا پروہت حبس بے جا میں مر جاتا تو مجرم کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔کسی شخص کی منگیتر کے ساتھ زنا کرنے کی سزا بھی موت تھی۔اسی طرح شادی شدہ عورت کی سزا جس نے غیر مرد کے ساتھ مباشرت کی ہو موت تھی[33]۔اِشنونا کے ضابطے میں شادی ایک معاہدہ تھی۔شادی سے پہلے مرد لڑکی کے والدین کو کچھ رقم ادا کرتا تھا اور قانون میں اس کے چند قاعدے درج ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی شخص سے شادی کی رقم وصول کرلیتا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا لیکن بعد میں وعدے سے پھر جاتا اور بیٹی کی شادی کسی اور سے کر دیتا تو اس کو پہلے شخص کو رقم کی دُگنی رقم دینی پڑتی تھی۔[34] شادی کا معاہدہ والدین کے ساتھ کرنا پڑتا تھا۔اس معاہدے کے بغیر جس پر گواہوں کی مہر لگتی تھی شادی قانونی طور پر تسلیم نہیں کی جاتی تھی۔

طلاق کی اجازت تھی بہ شرط یہ کہ عورت بانجھ ہو۔اولاد والی بیوی کو طلاق دینے والے کی املاک اور ساری جائیداد ضبط کرلی جاتی تھی[35]۔

مالک مکان کی غفلت سے (سرکاری ملازمین کے متنبہ کرنے کے باوجود) اگر کوئی دیوار گرجاتی اور جان تلف ہو جاتی تو اس کی سزا موت تھی[36]۔

حمورابی کا تیسرا پیش رَو ریاستِ اَسین کا بادشاہ لپت اشتر (1934ق م-1294ق م) تھا۔اس کے ضابطہ قانون کی فقط 38 دفعات پڑھی جاسکتی ہیں۔کیوں کہ مٹی کی لوحیں بالکل ٹوٹی ہوئی ہیں۔ان دفعات میں وراثت، جائیدادِ غیر منقولہ، غلاموں کی ملکیت اور معاہدوں کی شرطیں درج ہیں۔[37]

حمورابی کا ضابطۂ قانون اپنے پیش رووں کے ضابطوں سے کہیں زیادہ جامع اور مبسوط تھا۔اس کا آغاز ایک طویل تمہید سے ہوتا ہے جس میں شہنشاہ نے قانون کی غرض وغایت تفصیل سے بیان کی ہیں:

1. جس وقت خدائے عظیم انوم
2. اور زمین وآسمان کے آقااِن لیل نے
3. جو سب کی تقدیروں کا متعین کرنے والا ہے
4. مزدک کو تمام بنی نوع انسان کا حاکم مقرر کیا۔
5. اور بابل کو اس کے عظیم نام سے پکارا۔
6. اور اسے دنیا میں سب پر فضیلت بخشی۔
7. اور اس کے وسط میں ایک مضبوط بادشاہت قائم کی۔
8. جس کی بنیادیں اتنی ہی پائیدار ہیں جتنی آسمان وزمین
9. اسی وقت اَنوم اور ان لیل نے مجھے نامزد کیا
10. تا کہ لوگوں کے گوشت کو بہتر بناؤں
11. اور شریروں اور بدمعاشوں کا قلع قمع کروں۔
12. تا کہ قوی ضعیف کو ستانہ سکیں۔
13. اور میں کالے بالوں والی رعایا پر سورج بن کر چمکوں
14. اور زمین کو روشن کروں
15. میں حمورابی ہوں
16. جو دنیا کے چاروں گوشوں پر حاوی ہے۔
17. جس نے بابل کو عالی شان بنایا

18. اور آقا مردُک جس سے خوش ہے۔[38]

19. وہ جو تمام عمر الیساغ الٰہ کی ذمے داری قبول کرتا رہے گا۔

20. وہ جس نے اپنی رعایا کو تکلیفوں سے نجات دلوائی۔

21. اپنی رعایا کا گڈریا

22. جس کے کارنامے عِشتار کو پسند ہیں۔

23. جو قانون کا حکم منواتا ہے

24. جو لوگوں کو صحیح راستہ پر چلاتا ہے

25. جو بڑبڑانے والوں کو چپ کر دیتا ہے

26. جو بابل کا سورج ہے

27. اور عکاد اور سومیر کو روشنی بخشتا ہے۔[39]

28. جب مردُک نے مجھے ہدایت کی کہ اپنی رعایا کو راہ راست پر لے چلوں

29. اور ملک کی نگرانی کروں

30. تو میں نے ملک کی زبان میں

31. قانون اور انصاف قائم کیا۔

32. لوگوں کی بہبودی کی خاطر

33. اور اس وقت میں نے یہ اعلان نافذ کیا[40]۔

حمورابی کے ضابطے کے مطالعے سے اس دور کی معاشرتی زندگی کے بہت سے پہلو روشن ہوجاتے ہیں۔مثلاً یہ پتہ چلتا ہے کہ محل اور معبد سے وابستہ طبقوں کے علاوہ کہ معاشرے کے خالص غیر پیداآور گروہ تھے۔عکّاد (اکاد) وسومیر کے باشندے چار طبقوں میں بٹے ہوئے تھے:

اشرافیہ (اَویلو) مساکین (مشکنو) غلام (وردو) اور عام، شہری، مثلاً تاجر، کاریگر، زمیندار، کاشتکار، باغبان، مزدور، گڈریے اور ملاح وغیرہ۔

اشرافیہ سے عبارت شاہی خاندان کے افراد اور امرائے دربار تھے۔[41]

مساکین وہ طبقہ تھا جس کو فوجی یا انتظامی خدمات کے عوض جاگیریں، وظیفے اور دوسری رعایتیں حاصل تھیں۔غلام عام طور پر جنگی قیدیوں میں سے بھرتی کیے جاتے تھے یا ان کی اولاد کو خرید لیا جاتا تھا یا وہ مقروض لوگ

ہوتے تھے جو قرض ادا نہ کرسکنے کی صورت میں خود فروخت کیے جاتے تھے۔ وہ اپنے آقا کی ملکیت ہوتے تھے اور داغے جاتے تھے۔ ان کو ہر جرم کی سزا دوسرے طبقوں کے مقابلے میں زیادہ ملتی تھی اور آقا کو کنیز کے ساتھ شادی کیے بغیر مباشرت کرنے کا پورا حق تھا۔ غلام آزاد ہو سکتے تھے۔ ان کا آقا ان کو اپنا متبنیٰ بنا سکتا تھا اور وہ آزاد طبقے کی عورت سے شادی بھی کر سکتے تھے[42]۔

اس عہد میں سزا اور جزا کا تعین سماجی رتبے کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک ہی جرم کی سزا غلام کے لیے آزاد شہری سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ مثلاً اشرافیہ کے کسی فرد کی آنکھ ضائع ہو جاتی تو مجرم کی آنکھ پھوڑدی جاتی تھی(دفعہ:196)۔ اگر اسکی ہڈی ٹوٹ جاتی تو مجرم کو ایک مینا (وزن) چاندی بطور جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا (دفعہ:198)۔ اور اگر یہی جسمانی نقصان کسی غلام کو پہنچتا تو جرمانہ نصف ہو جاتا تھا(دفعہ:199)۔ اگر ایک شریف آدمی دوسرے شریف آدمی کا دانت توڑ دیتا تو عدالت اس کا دانت بھی توڑ دیتی تھی لیکن شریف آدمی کسی عام آدمی کا دانت توڑ دیتا تو اس کو فقط 1/3 مینا چاندی بہ طور جرمانہ ادا کرنی پڑتی تھی[43]۔

حمورابی کے عہد میں قانون کی نظر میں سب برابر نہیں تھے اور نہ طبقات زدہ سماج میں آج بھی سب لوگ قانون کی نظر میں برابر ہیں حالانکہ یکساں نظری کے دعوے بہت کیے جاتے ہیں۔[44] اُس وقت تک سکّوں کا رواج نہیں ہوا تھا لیکن چاندی کے تین اوزان سکے کی حیثیت سے رائج تھے۔ مینا کا وزن 800 گرام ہوتا تھا۔ شیکل کا آٹھ گرام اور سع 22/1 گرام۔ وزن تولنے کے لیے گُر اور کُو دو باٹ تھے۔ ایک گُر کا وزن 7 بُشل (بشل 290 سیر) کے برابر ہوتا تھا اور ایک گُر میں 300 کُو ہوتے تھے (4/3 کوارٹ)۔ پیائش کے لیے جریب استعمال کی جاتی تھی۔ ایک سار کا رقبہ 5/421 مربع گز کے برابر ہوتا تھا[45]۔

پیشہ وروں کے کام کا معاوضہ ریاست کی طرف سے مقرر ہوتا تھا۔ چنانچہ حمورابی کے ضابطے میں محنت کشوں کی اُجرتیں بڑی تفصیل سے درج ہیں مثلاً کھیت مزدور اور گڈریے کی سالانہ اُجرت 8 گُر ہوتی تھی۔ چرواہے کی 6 گُر۔ کھلیان میں کام کرنے والے بیل کی یومیہ اُجرت 20 کُو تھی اور فقط گاڑی کی 40 کُو۔[46]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیہات میں تو اُجرت کی ادائیگی جنس کی شکل میں ہوتی تھی لیکن شہروں میں چاندی کی شکل میں ہوتی تھی۔ چنانچہ اینٹ بنانے والے مزدور اور بڑھئی اور کشتی بان اور معمار وغیرہ کی اجرتیں شیکل اور سع میں لکھی ہیں۔ مثلاً ابتدائی پانچ مہینوں میں مزدور کی یومیہ اجرت چھ سع چاندی مقرر تھی اور سال کے باقی ماندہ مہینوں میں پانچ سع چاندی لیکن دیہات میں اجرتیں جنس کی شکل میں ادا کی جاتی تھیں۔ مثلاً کھیت مزدور کی سالانہ مزدوری آٹھ گُر اناج، چرواہے کی چھ گُر، گڈریے کی 8 گُر، علی ہذا[47]۔

حمورابی کی لاٹ پر جرّاح، جلاہے، مہر ساز، سونار، موچی، ٹوکری ساز، کانسیہ (تانبے، پیتل اور کانسے سے اوزار بنانے والا) سب کی اجرتیں کندہ تھیں لیکن لاٹ کے حروف مٹ گئے ہیں۔بقیہ قوانین کو چار پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلاً املاک، لین دین، ضابطہ فوج داری، ازدواجی تعلقات اور غلام اور آقا کے تعلقات۔

سزا کی دو قسمیں تھیں جسمانی سزا اور مالی سزا۔ہاتھ، کان، ناک، چھاتی اور زبان کاٹ دینا، آگ میں جلا دینا، ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینک دینا اور قتل کر دینا جسمانی سزائیں تھیں۔مالی سزا میں جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا لیکن بید لگانے یا قید کرنے کی سزائیں نہیں ہوتیں تھیں۔[48] موسوی شریعت کے مانند (جو تقریباً آٹھ سو سال بعد نافذ ہوئی) حمورابی کے عہد میں بھی جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کی سزا دی جاتی تھی۔مثلاً متبنیٰ بیٹا اگر باپ سے کہہ دیتا کہ تم میرے باپ نہیں ہو تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی۔بعض دوسرے جرائم کی پاداش میں بھی جسمانی سزاؤں کا رواج تھا۔مثلاً:

دفعہ:195، بیٹا اگر اپنے باپ پر ہاتھ اُٹھاتا تو اس کا ہاتھ کاٹا جا سکتا تھا۔

دفعہ:152 چوری کی سزا بھی قطع ید تھی۔[49]

حمورابی کے ضابطے میں 34 جرائم ایسے تھے جن کی سزا موت تھی لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ابھی سو سال پیشتر تک برطانیہ میں تین سو جرائم ایسے تھے جن کی سزا موت تھی چوری اور جعل سازی ان میں شامل تھے۔قتل اور جادوگری کا الزام اگر جھوٹا ثابت ہوتا تو مدعی کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔چوری کی سزا بھی موت تھی اور چوری کا جھوٹا الزام لگانے والے کی سزا بھی موت تھی۔غلام یا کنیز کے فرار میں مدد دینے یا ان کو اپنے گھر میں چھپانے کی سزا بھی موت تھی۔نقب زنی کرنے والے کو موقع واردات پر دیوار میں زندہ چن دیتے تھے۔ڈاکہ زنی کی سزا بھی موت تھی اور اگر ڈاکے کی تصدیق ہو جاتی تو صاحب اِملاک کو ریاست سے پورا معاوضہ ملتا تھا۔آتش زدگی کو موقع پر اگر کوئی شخص متاثرہ مکان سے مال واسباب چراتا تو اسے آگ میں جلا دیتے تھے۔جنگی مہم میں اپنی جگہ پر کسی بھاڑے کے آدمی کو بھیجنے کی سزا بھی موت تھی۔اگر کوئی مکان تعمیری نقص کی وجہ سے گر جاتا اور مالکِ مکان اس میں دب کر مر جاتا تو معمار کو قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر مالکِ مکان کا بیٹا ہلاک ہو جاتا تو معمار کے بیٹے کو جان سے مار دیا جاتا تھا[50]۔

زانی عورت کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینک دیتے تھے لیکن اس کا انحصار شوہر مرضی پر تھا اگر وہ بیوی کو معاف کر دیتا تو ضابطے کی رُو سے عدالت کا بھی فرض تھا کہ وہ مجرم کو معاف کر دے۔اگر کوئی آزاد شخص کسی دوسرے ملک میں پکڑ لیا جاتا اور اس کے گھر میں کھانے کو ہوتا تو عورت کا فرض تھا کہ وہ گھر کی حفاظت کرے

اور اگر وہ دوسرے مرد کے ساتھ سوتی تو اس جرم کی سزا بھی موت تھی۔ اگر کوئی مرد کسی شادی شدہ عورت سے جو ہنوز کنواری ہوتی زنا کرتا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ بیٹے کی بیوی سے زنا کرنے کی سزا بھی موت تھی[51]۔

فوجی ملازم یا سرکاری افسر کی جاگیر کی خواہ وہ مکان ہو یا باغ کھیت، خرید و فروخت بالکل ممنوع اور ناجائز تھی۔ یہ جائیداد بیٹے یا بیوی کے نام بھی منتقل نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ اگر جاگیردار لڑائی میں گرفتار ہو جاتا اور اس کے بیٹے نابالغ ہوتے تو ان کی ماں کو ایک تہائی جائیداد گزارے کے لیے مل جاتی تھی تاکہ وہ اولاد کی پرورش کر سکے لیکن اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی جائیداد کو بیوی یا بیٹے کے نام منتقل کیا جاسکتا تھا۔ جاگیردار اگر پروہت یا تاجر ہوتا تھا تو اس پر پابندیاں عائد نہیں ہوتی تھیں۔ البتہ اس جاگیر کے خریدنے والے کو وہ تمام فرائض ادا کرنے پڑتے تھے جو اس جاگیر سے وابستہ تھے[52]۔

زرعی زمین کو آدھی یا ایک تہائی بٹائی پر دینے کا رواج تھا مگر زراعت کے سیلاب زدہ ہو جانے کی صورت میں زمیندار اور مزارع دونوں کو اسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔ البتہ پیشگی لگان ادا کرنے کے بعد اگر کھیتی برباد ہو جاتی تو مزارع زمیندار سے رقم واپس لینے کا مجاز نہ تھا۔ اگر کسی کاشت کار کی زمین میں سیلاب یا خشک سالی کی وجہ سے فصل نہ پیدا ہوتی تو کاشت کار سال بھر کے لیے اپنے قرض خواہ کو قرض ادا کرنے سے بھی بری ہو جاتا تھا اور اس سال کا سود بھی واجب الادا نہ ہوتا تھا۔[53] مزروعہ زمین رہن رکھی جاسکتی تھی اور اس کی فصل مُرتہن کی ملکیت ہو جاتی تھی۔ ضابطۂ قانون کے مطابق زمیندار کا فرض تھا کہ اپنے حصے کی فصل میں مُرتہن کے قرضے کی رقم معہ سود اور زراعت کے مصارف بھی ادا کرے۔

اگر کسی زمیندار کی نہر کا پانی کسی دوسرے آدمی کے کھیت میں بہہ کر چلا جاتا اور اس کی فصل کر خراب کر دیتا تو زمیندار کو اس کا خسارہ ادا کرنا پڑتا تھا۔[54]

حمورابی کے عہد میں مکان کرائے پر اٹھانے کا رواج تھا حالانکہ دنیا کے کسی حصے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مزید برآں کرایہ پیشگی بھی وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکانوں کا باقاعدہ کاروبار ہوتا تھا۔ آبادی شاید بڑھتی جاتی تھی لیکن مکانوں کی تعمیر اس نسبت سے نہیں ہوتی تھی۔ یعنی طلب رسد سے زیادہ تھی اور لوگوں نے کم از کم ایک سال کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا ہو تو مالکِ مکان میعاد ختم ہونے سے پہلے اسے مکان خالی کرنے کا نوٹس نہیں دے سکتا تھا اور اگر نکالتا تو کرائے دار کو پورے سال کا کرایہ واپس کرنا پڑتا تھا (دفعہ:78)[55]

مکان کرایے پر لینے سے قبل کرایہ نامہ لکھاجاتا تھا۔اس کرایے نامے پر مالک مکان اور کرایہ دار کے علاوہ گواہوں کے دستخط بھی ہوتے تھے چنانچہ اس زمانے کی ایک لوح ملی ہے جس پر کرایہ نامہ کندہ ہے۔غالباًیہ دنیاکاسب سے قدیم کرایہ نامہ ہے۔اس میں لکھاہے کہ:

"مشقوم ولدرِم اداد نے ماتم سے جو شمس کاپروہت ہے ایک مکان ایک سال کے لیے کرایے پر لیاہے۔سال بھر کاکرایہ ڈیڑھ شیکل چاندی ہے۔اس میں 3/2 شیکل پیشگی اداکیاگیا۔دو گواہوں کے نام۔اپّار کی دسویں تاریخ۔نشان اسلحہ کاسال۔"

قرض اور سُود کارواج بھی تھا۔مقروض اگر چاندی کے بدلے چاندی اداکرنے سے قاصر ہوتا تو اس کے عوض مساوی مالیت کااناج معہ سود قرض خواہ کواداکردیتاتھا۔سود کی شرح زیادہ سے زیادہ بیس فی صد تھی اوراگر یہ ثابت ہو جاتا کہ قرض خواہ نے بیس فی صد سے زیادہ سود وصول کیاہے تو قرضے کی کل رقم ضبط ہو جاتی تھی۔سُود در سود کی سخت ممانعت تھی چنانچہ جرم ثابت ہونے پر مجرم سے دگنی رقم وصول کی جاتی تھی[56]۔

ضابطے میں تجارت کی شرطیں بھی متعین تھیں۔مثلاً پھیری والا کسی سوداگر یادکان دار سے مال لے جاتاتوفروخت شدہ مال کی اصل قیمت پر اسے سوداگر کو فروخت شدہ مال کی اصل قیمت مع سود کے اداکرنی پڑتی تھی۔البتہ سود دِنوں کے حساب سے لیاجاتا تھا۔پھیری والے کے نفع میں سوداگر کاکوئی حصہ نہ ہوتاتھا۔اگر پھیری والا دیوتا کی قسم کھاکر کہتاکہ میرامال دشمن نے لوٹ لیاہے تووہ رقم کی ادائیگی سے بری ہو جاتا تھا۔[57]خرید و فروخت میں مہر شدہ رسید (جومٹی کی تختی پر لکھی جاتی تھی) دی جاتی تھی اوراگر پھیری والالاپروائی برتتااوررقم اداکرنے کے بعد سوداگر سے رسید نہ لیتاتویہ رقم اس ادائیگی کے کھاتے میں نہیں لکھی جاتی تھی[58]۔ضابطۂ قانون کے مطالعے سے معلوم ہوتاہے کہ مے فروشی کاپیشہ عورتوں کے لیے مخصوص تھااور بابل میں باقاعدہ شراب خانے ہوتے تھے جہاں لوگ شراب پینے جایاکرتے تھے اور شراب کے بدلے اناج یاچاندی اداکرتے تھے۔اگر مے فروش شراب کم تولتی تھی اوراس کاجرم ثابت ہو جاتاتھاتواسے پانی میں پھینک دیاجاتاتھا[59]۔

حمورابی کے زمانے میں شراب خانوں میں ہر قسم کے اوباش لوگ جمع ہو جاتے تھے چنانچہ ضابطے میں لکھاہے کہ اگر شراب خانے میں راندۂ قانون لوگ داخل ہوں اور مئے فروش اربابِ حکومت کو مطلع نہ کرے تو مئے فروش کی سزاموت ہے۔

اگر کوئی پروہت راہبہ یا دیوداسی مئے خانے کا دروازہ کھولتی اور شراب پیتی پکڑی جاتی تو اسے آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ سزا بڑی سخت تھی لیکن اس سے ضرور یہ ثابت ہوتا ہے کہ پروہت اور راہبائیں اور دیوداسیاں بھی چوری چھپے شراب پیتی تھیں[60]۔

شراب قرض بھی مل جاتی تھی لیکن ایک بوتل شراب کی قیمت فصل کٹنے پر پچاس کُو (کوارٹ 4/3) ادا کرنی پڑتی تھی[61] خیانت مجرمانہ ثابت ہونے پر مجرم کو پانچ گنا جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ البتہ اناج کی خیانت کرنے والے کو دُگنا جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ لین دین میں گواہوں کی بڑی اہمیت تھی چنانچہ ایسا مقدمہ قابل سماعت نہ تھا جس میں چشم دید گواہ موجود نہ ہوں۔ عورت مرد کے رشتے کو بہت تفصیل سے منضبط کیا گیا تھا۔ ضابطے کے بموجب شادی ایک معاہدہ تھی۔ شادی سے پہلے اگر معاہدہ باقاعدہ طور پر مرتب نہ ہوتا تو عدالت شادی کو تسلیم نہ کرتی تھی[62]۔ اگر کوئی شادی شدہ عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ سوتی ہوئی پکڑی جاتی تو دونوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی میں پھینک دیا جاتا تھا لیکن شوہر اگر اپنی بیوی کو معاف کر دیتا تو بادشاہ بھی اسے معاف کر دیتا تھا۔[63] اگر شوہر لڑائی میں گرفتار ہو جاتا اور گھر میں کھانے کو ہوتا تو عورت کا فرض تھا کہ دوسرے گھر میں نہ جھانکے۔ (دوسری شادی نہ کرے) بلکہ شوہر کا انتظار کرے لیکن گھر میں کھانے کو نہ ہوتا تو اسے دوسری شادی کا اختیار تھا۔ البتہ پہلے شوہر کے واپس آنے کی صورت میں بیوی پر لازم تھا کہ واپس چلی جائے مگر دوسرے شوہر سے جو اولاد ہوتی اس پر پہلے شوہر کا کوئی حق نہ تھا[64]۔

مرد اور عورت کو طلاق کا حق تھا اور طلاق کی بھی باقاعدہ لکھا پڑھی ہوتی تھی۔ عورت اگر اپنے شوہر کو ناپسند کرتے ہوئے یہ اعلان کرتی کہ میں تمہارے ساتھ ہر گز نہ سوؤں گی تو بلدیہ اس کے چال چلن کی جانچ کرتی اور اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ قصور عورت کا نہیں ہے تو اس کو اپنا جہیز لے کر اپنے میکے جانے کی اجازت دے دی جاتی تھی۔[65]

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی اجازت نہ تھی لیکن بیوی اگر دائم المریض ہوتی تو شوہر کو دوسری شادی کا اختیار تھا۔ ایسی صورت میں شوہر کا فرض تھا کہ پہلی بیوی کو گھر میں رکھے اور اس کی مالی امداد کرتا رہے۔ البتہ پہلی بیوی کو اختیار تھا کہ شوہر کے گھر میں رہنے سے انکار کر دے اور اپنا جہیز لے کر اپنے میکے واپس چلی جائے[66]۔

منگنی ،مہر اور جہیز کا رواج تھا اور شوہر کو مہر کا کچھ حصہ شادی سے پہلے ادا کرنا پڑتا تھا۔ منگنی کے وقت شوہر یہ نقدی، زیور اور تحفے تحائف لے کر سسرال جاتا تھا لیکن شادی سے پہلے اگر وہ کسی دوسری لڑکی سے محبت

کرنے لگتا اور اپنے ہونے والے سسر سے جاکر کہتا کہ میں تمہاری بیٹی سے شادی نہیں کروں گا تو سسر کو اختیار تھا کہ وہ اس آدمی کی لائی ہوئی چیزوں کو واپس نہ کرے۔ اس کے برعکس اگر لڑکی کے باپ نے ارادہ بدل دیا ہوتا اور لرکے سے کہتا کہ میں اپنی بیٹی تمہارے ساتھ نہیں بیاہوں گا تو اسے منگیتر کے سامان کا دگنا سامان واپس کرنا ہوتا[67]۔

جہیز عورت کی ذاتی ملکیت تصور ہوتا تھا۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد جہیز کی چیزوں پر نہ عورت کے باپ کا حق ہوتا تھا نہ شوہر کا بلکہ وہ چیزیں عورت کی اولاد کو ورثے میں ملتی تھیں لیکن عورت اگر لاولد مر جاتی تو جہیز اس کے باپ کو واپس مل جاتا تھا۔ بہ شرط یہ کہ باپ اپنے داماد کو شادی کی قیمت ادا کر دیتا۔ اگر لڑکی کا باپ یہ رقم واپس نہ کرتا تو شوہر کا فرض تھا کہ جہیز میں سے یہ رقم وضع کر لے اور بقیہ جہیز اپنے سسر کو واپس کر دے[68]۔

باپ کی جائیداد میں بیٹوں کا مساوی حق تھا۔ البتہ باپ اگر اپنے سب سے بڑے بیٹے کے نام پیدائش کے وقت کوئی باغ، کھیت یا مکان لکھ دیتا اور دستاویز پر مہر لگ جاتی تو ہبہ شدہ جائیداد پر دوسرے بھائیوں کا کوئی حق نہ ہوتا لیکن شادی شدہ بھائیوں کا فرض تھا کہ بن بیاہے بھائی کو جائیداد میں مساوی حق دینے کے علاوہ اتنی رقم مزید دیں کہ وہ اپنی شادی کی رقم ادا کر سکے[69]۔ سوتیلے بھائیوں کا حق (اگر ایک باپ کی اولاد ہوں) مساوی تھا لیکن سوتیلی ماؤں کے جہیز میں سوتیلے بیٹوں کا حق نہ تھا۔ باپ بیٹے کو عاق کر سکتا تھا لیکن اس کے لیے عدالت کی اجازت ضروری تھی۔[70] عدالت کی تحقیقات کے بعد اگر بیٹا بے قصور ثابت ہوتا تو باپ کی درخواست پر نامنظور کر دی جاتی تھی۔ پہلے قصور پر عدالت بیٹے کو متنبہ کر دیتی تھی لیکن دوسرے قصور پر باپ بیٹے کو عاق کر دینے کا مجاز تھا[71]۔

خلاصہ

حمورابی کا ضابطہ قانون، جو 18ویں صدی قبل از مسیح میں تخلیق کیا گیا، انسانی تاریخ کی پہلی قانونی دستاویز مانی جاتی ہے اور اس میں 282 قوانین شامل ہیں، جو بارہ الواح پر درج کیے گئے تھے۔

اس ضابطے کو بابل اور میسوپوٹیمیا کے مختلف شہروں میں بڑے پتھر کے ستونوں پر نصب کروا کر عام لوگوں تک رسائی فراہم کی گئی تھی، مگر بعد میں ان ستونوں کی تحریریں مٹا دی گئیں۔

[illegible] ء میں فرانسیسی ماہرین نے ان ستونوں کو دوبارہ دریافت کیا، جس سے دنیا کو اس قانون کے بارے میں آگاہی ملی، جو سماجی انصاف اور عدل و مساوات پر زور دیتا تھا۔

حمورابی نے سماجی انصاف کے قیام کے لیے ایک منظم ضابطہ قوانین بنایا اور اسے مختلف ابواب میں تقسیم کیا، جس سے اس کے اثرات دور رس اور بے مثال ثابت ہوئے۔

اسلامی نظام طرزِ حکومت میں بھی عدل و انصاف کی بنیادی اہمیت ہے، جو حمورابی کے ضابطے کے تقابلی مطالعے کے ذریعے سمجھنے میں مدد گار ثابت ہو سکتا ہے۔

تحقیق میں حمورابی قوانین اور فقہ اسلامی کے موازنہ سے تاریخی اور عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے گا، جس سے دونوں نظاموں کی مشابہتیں اور اختلافات سامنے آئیں گے۔

حمورابی کا ضابطہ قانون، جو بابل کی عظیم تہذیب کا حصہ تھا، آج بھی دنیا کے مختلف قوانین اور مذاہب پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے، اور اس کے علمی و تقابلی جائزے کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

مصادر و مراجع

[1] سبط حسن، ماضی کے مزار، (مکتبہ دانیال، 2016ء)، صفحہ: 423

[2] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، بہ ذیل تاریخ عمومی

[3] فلپ کے حتی، تاریخ شام، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2020ء) صفحہ: 73

: الأب سهيل الأمين، شريعة حمورابي، مترجم: محمود الأمين، الطبعة الأولى، (لندن، شركة دار الوراق للنش والتوزيع المحدودة، 2007 [4]

مجموعة من المؤلفين، شريعة حمورابي، مترجم: اسامه سراس، الطبعة الثانية، (دمشق، دار علاء الدين، 1993) [5]

[6] رامي عبد الحكيم قاسم العبادي، أفراد القوات المسلحة في عهد الملك البابلي حمورابي، بدون الطبع، (كلية الأدب في جامعة الموصل، 2006م، 1428ه).

[7] سهيل قاشا، المرأة في شريعة حمورابي، بدون الطبع، (موصل، عراق، بدون السنة).

[8] تاریخ شام، مذکور، ص: 73، 74

[9] محمود الأمين، قوانين حمورابي والقوانين البابلية الأخيرة، بدون الطبع، (جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[10] پیدائش 11 : 9

[11] پیدائش 10 : 10

[12] دمتور فوزي رشيد، الملك حمورابي، الطبعة الأولى، (بغداد، وزارة الثقافة الإعلام وار الثقافة للأطفال، 1991).

[13] 2 سلاطین 24 : 14-17.... دانی ایل 1 : 1-7

[14] دكتور محمد سهيل طقوش، تاريخ العراق الحديث والمعاصر، الطبعة الأولى، (بيروت لبنان، درا النفائس للطباعة والنشر والتوزيع، 1436ه، 2015م).

[15] پیدائش باب 11

[16] عباس العبودي، تاریخ القانون وشریعة حمورابي، الطبعة الأولی،(بغداد، درا الکتب والوثائق،2014م).

[17] سهیل قاشا، المرأة في شریعة حمورابي، بدون الطبع،(موصل، عراق، بدون السنة).

[18] دکتور هووست کلینکل، حمورابي البابلي وعصره، الطبعة الأولی،(سوریا، دار المنارة للدراسات والترجمة والنشر،1990).

[19] پیدائش 11 : 4

[20] رامي عبد الحکیم قاسم العبادي، أفراد القوات المسلحة في عهد الملك البابلي حمورابي، بدون الطبع،(کلیة الآدب في جامعة الموصل، 2006م،1428ه).

[21] قاموس الکتاب' ایف ایس خیر اللہ' صفحہ:138-139' مسیحی اشاعت خانہ لاہور' 1987ء

[22] محمود الأمین، قوانین حمورابي والقوانین البابلیة الأخیرة، بدون الطبع،(جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[23] مجموعة من المؤلفین، شریعة حمورابی، مترجم: اسامه سراس، الطبعة الثانیة،(دمشق، دار علاء الدین،1993) .

[24] سبط حسن' ماضی کے مزار' ص:431

[25] سهیل قاشا، المرأة في شریعة حمورابي، بدون الطبع،(موصل، عراق، بدون السنة).

[26] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم' بہ ذیل تاریخ عمومی

[27] دکتور هووست کلینکل، حمورابي البابلي وعصره، الطبعة الأولی،(سوریا، دار المنارة للدراسات والترجمة والنشر،1990).

[28] شعیب أحمد الحمداني، قانون حمورابي، بدون الطبع،(بغداد، جامعة بغداد،1987,1988) .

[29] سبط حسن' ماضی کے مزار' ص:410-418

[30] محمود الأمین، قوانین حمورابي والقوانین البابلیة الأخیرة، بدون الطبع،(جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[31] محمود الأمین، قوانین حمورابي والقوانین البابلیة الأخیرة، بدون الطبع،(جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[32] ماضی کے مزار' ص:410-418

[33] ماضی کے مزار' ص:410-418

[34] دکتور هووست کلینکل، حمورابي البابلي وعصره، الطبعة الأولی،(سوریا، دار المنارة للدراسات والترجمة والنشر،1990).

[35] سبط حسن' ماضی کے مزار' ص:410-418

[36] ماضی کے مزار' ص:410-418

[37] رامي عبد الحکیم قاسم العبادي، أفراد القوات المسلحة في عهد الملك البابلي حمورابي، بدون الطبع،(کلیة الآدب في جامعة الموصل، 2006م،1428ه).

[38] الآب سهيل الأمين، شريعة حمورابي، مترجم: محمود الأمين، الطبعة الأولى، (لندن، شركة دار الوراق للنشر والتوزيع المحدودة، 2007).

[39] سهيل قاشا، المرأة في شريعة حمورابي، بدون الطبع، (موصل، عراق، بدون السنة).

[40] سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[41] شعيب أحمد الحمداني، قانون حمورابي، بدون الطبع، (بغداد، جامعة بغداد، 1988,1987).

[42] مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب، صفحات:12-60، نگارشات 2019ء

[43] سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[44] محمود الأمين، قوانين حمورابي والقوانين البابلية الأخيرة، بدون الطبع، (جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[45] حمورابی اور بابلی تہذیب، صفحات:12-60

[46] سهيل قاشا، المرأة في شريعة حمورابي، بدون الطبع، (موصل، عراق، بدون السنة).

[47] حمورابی اور بابلی تہذیب، صفحات:12-60---سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[48] دمتور فوزي رشيد، الملك حمورابي، الطبعة الأولى، (بغداد، وزارة الثقافة الإعلام وار الثقافة للأطفال، 1991).

[49] سهيل قاشا، المرأة في شريعة حمورابي، بدون الطبع، (موصل، عراق، بدون السنة).

[50] مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب، صفحات:12-60

[51] حمورابی، ص:12-60---سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[52] حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[53] محمود الأمين، قوانين حمورابي والقوانين البابلية الأخيرة، بدون الطبع، (جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[54] شعيب أحمد الحمداني، قانون حمورابي، بدون الطبع، (بغداد، جامعة بغداد، 1988,1987).

[55] حمورابی اور بابلی تہذیب، صفحات:12-60

[56] حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[57] دكتور هووست كلينكل، حمورابي البابلي وعصره، الطبعة الأولى، (سوريا، دار المنارة للدراسات والترجمة والنشر، 1990).

[58] مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[59] حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[60] حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[61] مجموعة من المؤلفين، شريعة حمورابي، مترجم: اسامہ سراس، الطبعة الثانية، (دمشق، دار علاء الدين، 1993).

[62] حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[63]شعیب أحمد الحمداني، قانون حمورابي، بدون الطبع،(بغداد، جامعة بغداد،1987,1988) .

[64]مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:410-418

[65]سهیل قاشا، المرأة في شريعة حمورابي، بدون الطبع،(موصل، عراق، بدون السنة).

[66]حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[67]حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[68]حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[69]حمورابی اور بابلی تہذیب، ص:12-60---ماضی کے مزار، ص:410-418

[70]محمود الأمين، قوانين حمورابي والقوانين البابلية الأخيرة، بدون الطبع،(جامعة بغداد، بحوث ومقالات).

[71]سبط حسن، ماضی کے مزار، ص:418